معرکۂ

انتخابِ جداگانہ و مخلوط

سید الطاف علی بریلوی، بی۔ اے
(علیگ)

غم نامۂ مسلم را نادیں مکن پارہ

بیچارہ نوشتہ است از خون جگر چیزے

۱

۷۸۶

کتاب کے متعلق چند رائیں

(۱)

معرکہ انتخاب جداگانہ و مخلوط ایک چھوٹی سی کتاب ہے جو سید الطاف علی صاحب بی۔اے رکن نیشنلسٹ پارٹی بریلی نے تالیف کی ہے طرز بیان سلجھا ہوا۔ زبان نہایت صاف ہے۔ آپ نے مسئلہ انتخاب جیسے خشک مضمون کو ایسے دل چسپ طریقے سے قلمبند کر کے عام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد اس کو بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ انتخاب جداگانہ کیوں عالم وجود میں آیا۔ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کس طریقۂ انتخاب کو اختیار کرنے میں ہے۔ ملک کے آئندہ نظم و نسق کو جمہوری اصول پر چلانے کے لیے انتخاب جداگانہ کی ضرورت ہے یا مخلوط

انتخاب کی۔ لیڈر خواہ وہ انتخاب جداگانہ کے حامی ہوں یا مخلوط انتخاب کے موید ہوں یہ کیوں کہتے ہیں کہ قوم ہمارے ساتھ ہے۔ سمجھدار مسلمان جو سکون اور اطمینان کے ساتھ اس اہم مسئلے کے متعلق رائے قایم کرنا چاہتے ہیں وہ اس رسالے کو ضرور پڑھیں تاکہ متذکرہ بالا ہردو قسم کے لیڈروں کو ان کی غلطیوں اور خودرائیوں پر ٹوک سکیں۔

بدایوں ۱۷ مئی ۱۹۳۱ء

نظامی بدایونی
(ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں)

(۲)

میں نے مضمون بعنوان "معرکۂ انتخاب جداگانہ و مخلوط" جو سید الطاف علی صاحب بی اے۔ نے نہایت جاں فشانی اور محنت سے تیار کیا ہے پڑھا۔ مضمون علاوہ نہایت مفصل ہونے کے زبان کے لحاظ سے نہایت اچھا اور شستہ ہے اور ہر دو پہلوؤں پر حتی الامکان مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ سید صاحب موصوف حالانکہ نئے گریجویٹ ہیں لیکن آپ کو سیاسیات سے نہایت دلچسپی ہے۔ آپکا مضمون اس لحاظ

سے بھی یکتا ہے کہ ابھی تک اس مضمون پر کوئی مفصل مضمون جس سے عوام کے خیالات کو وسعت ہو سکے موجود نہ تھا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا یہ مضمون اس امر پر کہ حقیقت میں مسلمانوں کی کیا رائے ہونا چاہیئے کافی مدد دے گا۔

نظام منزل بریلی
۱۳ر مئی سنہ ۱۹۳۱ء

سید یوسف علی (ایڈوکیٹ ایم ایل سی
چیرمین میونسپل بورڈ)

(۳)

سید الطاف علی صاحب بی۔ اے نے "معرکہ انتخاب جداگانہ و مخلوط" لکھ کر ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ حقیقت میں رائے عامہ کو صحیح راستہ پر ڈالنے کے لیئے اس وقت جبکہ ہندوستان ایک نازک زمانہ سے گزر رہا ہے اس قسم کی کتابیں شایع ہونے کی ضرورت ہے۔ انتخاب جداگانہ و مخلوط کے اہم مسئلے کے موافق اور مخالف پہلوؤں کو سید صاحب نے نہایت خوبی کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کیا ہے طرز بیان نہایت سادہ ہے عام مسلمان اس کے مطالعہ سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور اس خاص مسئلے

ہیں جو اس وقت ہندو مسلم مفاہمت یا یوں کہنا چاہیئے کہ ہندوستان کے نئے دستور اساسی کی ترتیب میں تعویق کا باعث ہیں اس رسالے کو دیکھ کر بہ آسانی صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔

طفیل احمد (سابق۔ ایم۔ ایل سی)

ولایت منزل علی گڑھ

۱۴ر مئی ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

آئندہ نظام حکومت میں طریقۂ انتخاب مخلوط ہو یا جداگانہ آجکل سیاسیات ہند میں ایک زبردست اختلافی مسئلہ بنا ہوا ہے اور ملک کی تمامتر توجہ اس کے حل کی جانب مرکوز ہو گئی ہے۔ جہاں تک برادران ہنود کا تعلق ہے انھوں نے من حیث القوم مخلوط انتخاب کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے مگر مسلمان حسب دستور قدیم ابھی کسی ایک نقطہ پر متفق نہ ہو سکے ہیں۔ ایک جماعت جداگانہ انتخاب کو اپنا پیدایشی حق تصوّر کرتی ہے تو دوسری جماعت مخلوط انتخاب کو ملک کی آزادی اور مسلمانوں کے سیاسی اور تمدّنی ارتقا کا واحد ذریعہ خیال کرتی ہے گزشتہ بیس سال سے ملک میں جداگانہ طریق انتخاب رائج ہے اس لیے

ہم اس کے عادی سے ہو گئے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے ہمارا فوراً تیار ہو جانا آسان نہیں ہے۔ تاوقتیکہ ہمیں جداگانہ انتخاب کی خرابیاں اور مخلوط انتخاب کی خوبیاں نہ معلوم ہو جائیں۔

عرصہ دراز تک یہ اہم اور نازک مسئلہ مسلمانوں کے سیاسی رہنماؤں تک ہی محدود رہا اور اُن کی یہ کوشش رہی کہ اس کی عام مسلمانوں کو خبر نہ ہونے پائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو آپس ہی میں طے کر کے یہ اعلان کر دیں کہ جو فیصلہ اُنھوں نے کیا ہے وہ عام مسلمانان ہند کا فیصلہ ہے۔ مگر قدرت کو منظور نہ تھا کہ مسلم رہنماؤں کی یہ بے راہ روی اور اپنی قوم سے بے نیازی زیادہ عرصہ تک قائم رہے اور غریب مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ یوں ہی بغیر اُن کے پوچھے گچھے ہو جایا کرے۔ لہٰذا بیسیوں اتحادی کانفرنسوں کے باوجود ہمارے لیڈر نہ متحد ہونا تھے نہ ہوئے۔ مزید لطف یہ ہوا کہ اپنی اس نا اتفاقی میں یہ لوگ ایک دوسرے کو چیلنج بھی کر بیٹھے کہ اب اس مسئلہ کا فیصلہ اُن کی قوم کرے گی۔ اور ہر جماعت نے یہ کہا کہ قوم ہمارے ساتھ ہے۔

یہ صورت حال اس قدر دلچسپ ہے کہ اس پر جس قدر بھی خوشی منائی جائے کم ہے۔ ایک مسئلہ میں ہمارے لیڈروں میں اختلاف رائے ہوا۔ ایک نے

دوسرے کی پگڑی اُچھالی اور ہم دوسری قوموں کے سامنے شرمندہ ہوئے تو ہوا کریں مگر خیر سے اب ہمارے لیڈروں کی صورت تو دکھائی دے گی جو ہمیں فراموش کر بیٹھے تھے اور ہماری تباہی و بربادی سے پیٹھ موڑ چکے تھے قوم پسند جماعت کے لیڈر ہوں یا مولانا شوکت علی صاحب کے ساتھی ہیں تو دونوں سے شکایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت قوم نہ ڈاکٹر انصاری صاحب کے ساتھ ہے اور نہ مولانا شوکت علی صاحب کے ساتھ۔ اس لیئے ہر دو حضرات کا ہماری نسبت یہ حسن ظن کہ ہم ان کے اصولوں کو سمجھ گئے ہیں بالکل غلط ہے ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

ہم میں نہ تو کسی قسم کی سیاسی بیداری ہے اور نہ احساس۔ ہمیں خبر ہی نہیں کہ ہندوستان کی دنیائے سیاست میں کیا ہو رہا ہے۔ اخبارات ذریعہ ہیں ہر قسم کی اطلاع و معلومات کا مگر ہمیں اخبار پڑھنے کا شوق ہی نہیں۔ ناخواندہ حضرات کا تو ذکر ہی نہیں پڑھے لکھے بی۔اے اور ایم۔اے بھی مشکل سے دس فی صدی اخبار پڑھتے ہیں۔ الغرض ہماری بے بضاعتی ایک مسلمہ امر ہے لیکن اس بے بضاعتی کے باوجود بھی جداگانہ یا مخلوط انتخاب جیسے اہم اور پیچیدہ سیاسی مسئلہ کا فیصلہ ہماری ہی رائے پر چھوڑا جاتا ہے تو ہمیں بھی کمر ہمت کس لینا چاہیئے اور ہر پہلو سے

غور و خوض کے بعد نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دینا چاہیے۔

جداگانہ یا مخلوط انتخاب کس جانور کا نام ہے؟

کچھ دن پہلے ان دونوں سے ہم ایسے ہی بے خبر تھے جس طرح ہمارے ایک مسلمان گریجویٹ دوست اس بات سے بے خبر ہیں کہ ڈاکٹر بسنٹ، مرد ہیں یا عورت یا ایک اور گریجویٹ دوست کو یہ نہیں معلوم ہے کہ صوبہ کی مجلس قانون ساز اسمبلی ہے یا کونسل، یا ہندوستان میں کوئی کونسل آف اسٹیٹ بھی ہے۔ لیکن چونکہ مولانا شوکت علی صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے آج کل ہر جگہ مخلوط و جداگانہ انتخاب پر مسلمانوں میں بحث و تمحیص ہو رہی ہے اس لیے ہمیں بھی معلوم ہوا کہ یہ جو ہر تیسرے سال چنگی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ کونسل۔ اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کا الیکشن ہوتا ہے اور اس میں مسلمان صرف مسلمان ممبر کو ووٹ دیتے ہیں اور ہندو ہندو کو تو یہ جداگانہ طریقہ انتخاب ہے اور وہ جو بزرگوں سے سنا ہے کہ اب سے بتیس سال پہلے ہندو مسلمان مل کر ایک دوسرے کو ووٹ دیا کرتے تھے اور ایک ممبر ہندو مسلمان دونوں کا نمائندہ ہوا کرتا تھا، مخلوط طریقہ انتخاب تھا۔ خیر یہ تو سمجھ میں آگیا۔

مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مخلوط سے جداگانہ انتخاب کیوں ہوا اور اب پھر جداگانہ سے مخلوط انتخاب کی کیوں کوشش ہو رہی ہے۔

اگر یہ اور سمجھ میں آجائے اور پھر ہم سے کوئی پوچھے کہ مخلوط انتخاب اچھا ہے یا جداگانہ تو ہمیں اپنی رائے کے متعلق جواب دیدینے میں ذرا بھی تامل اور دقت نہ ہو مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب تک جو باتیں ہم نے سنی ہیں وہ صرف یہ ہیں کہ "بھائیو! ہندوؤں پر ہرگز اعتبار مت کرو، اُن کی ذہنیت نہایت خراب ہے۔ مخلوط انتخاب ہو گیا تو ایک مسلمان بھی منتخب نہ ہو سکے گا اور جو ہوا بھی تو وہ ہندوؤں کا غلام ہوگا"، یا یہ کہ "بھائیو! ہندو تمھارے وطنی بھائی ہیں ان پر اعتبار کرو۔ جداگانہ انتخاب سے آپس میں پھوٹ پڑتی ہے اور ملک آزاد نہیں ہو سکتا"۔ خدارا انصاف کیجیے کہ کہاں ہماری موٹی عقل اور کہاں یہ سرتاپا طرز استدلال۔ صاف بات یہ ہے کہ سب سے پہلے تاریخی حوالوں سے یہ بتائیے کہ

ہندوستان پر انتخاب کی بلا کب سے نازل ہوئی؟

کتابوں میں لکھا ہے کہ عرصۂ دراز تک انگریزوں کی کوشش رہی کہ ہمارے ملک پر بلا شرکت غیرے حکومت کرتے رہیں اور حکومت کے معاملات میں ہندوستانی ذرا بھی دخل نہ دینے پائیں۔ یہ کیفیت ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے مشہور اعلان کے باوجود

۱۸۸۰ء تک رہی کیونکہ ہندوستانیوں کے دلوں پر غدر ۱۸۵۷ء کی مصیبتوں کا خوف طاری تھا اور اس لیئے اُن کو جرات نہ ہوتی تھی کہ اپنے آقا لوگوں سے اپنی حق تلفی کی کچھ شکایت کر سکیں۔ مگر ۱۸۸۰ء میں لارڈ رپن ایک بڑے مہربان اور رحم دل وایسرائے ہندوستان میں آئے اُنھوں نے خود بخود کوشش کر کے ہندوستانیوں کو لوکل بورڈوں میں ووٹ کی قوت، دیدی اس قوت کا ملنا تھا کہ ہندوستانیوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو گئی اور انتظام سلطنت میں تھوڑے سے اختیارات ملتے ہی اُنھوں نے اختیارات کی مزید توسیع کی کوشش شروع کر دی۔ اسی کوشش کو منظم شکل دینے کے لیئے لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کے زمانۂ حکومت میں ایک انگریز دوست کی مدد سے ہندوستانیوں نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی اور کانگریس کے سالانہ اجلاسوں میں ووٹ کی قوت، کی وسعت اور ان جماعتوں اور کونسلوں میں جن کے ذریعہ سے حکومت ملک کے لیئے قانون بنایا کرتی تھی زیادہ سے زیادہ ہندستانیوں کے داخلہ کی کوشش ہونے لگی ابتداءً تو گورنمنٹ اس کوشش سے ناراض نہ ہوئی اور کانگریس میں شرکت کرنے والے لیڈر گورنروں کے مہمان اور گورنمنٹ ہاؤسوں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ مگر بعد کو کانگریس کی بڑھتی طاقت کو گورنمنٹ

غالباً شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگی اور انگریزوں کو لفظ انتخاب سے اتنی ہی تکلیف ہونے لگی جتنی کہ آج کل لفظ انقلاب سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی خودکشی

مطالبۂ حقوق کا وہ باب جس میں گورنمنٹ کی ناراضی بھی شامل ہو گئی تھی مسلمانوں کے لئے بڑے امتحان کا وقت تھا مگر افسوس کہ وہ اس امتحان میں نادانستہ طور پر ناکامیاب ہوئے اور انھوں نے سرسید علیہ الرحمتہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مطالبۂ حقوق اور عملی سیاسیات سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس موقع پر مسلمانوں کی علحدگی ہندوستان کی دائمی غلامی کی تمہید اور خود ان کے لئے سیاسی خودکشی کی مرادف ثابت ہوئی۔ مگر ہمیں سرسید علیہ الرحمۃ کی نیت پر شبہ کرنے یا اُس زمانہ کے غیور فرزندان اسلام پر بزدلی کا الزام لگانے کا بھی کوئی حق نہیں ہے کیونکہ مسلمان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا چکے تھے اور قربان گاہ آزادی پر اپنی تمامتر متاع عزیز بھینٹ چڑھا چکے تھے۔ اس لئے یقیناً جائز طور پر انھیں کچھ عرصہ کے لئے ہر اس معاملہ سے علحدہ رہنے کی ضرورت تھی جس میں گورنمنٹ سے تصادم کا دور کا بھی امکان ہو۔ مگر واضح ہو کہ جو مسلمان ہمیشہ شمع آزادی کے پروانہ رہے ہوں۔ جو آزادی کو

اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہوں اور جو تمام دنیا کو پیام آزادی دینا اپنا فرض عین سمجھتے ہوں وہ اُس ملک کی آزادی سے جس کی سرزمین کو اُنھوں نے آٹھ نو سو سال تک اپنے خون سے سینچا ہو ہمیشہ کے لیے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے اور وقتی طور پر برادران ہنود سے جدوجہد آزادی میں علحدہ رہتے تو رہتے مگر زیادہ عرصہ تک اُن کی یہ علحدگی ناممکن تھی لیکن اس بدقسمتی کا کیا علاج ہی کہ سرسید علیہ الرحمتہ کے انتقال کے بعد سے اب تک مسلمانوں کو ان جیسا دلیر جری اور سچا رہنما نصیب نہ ہوا جو اقتضاء وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرتا اور جس طرح سرسید نے مسلمانوں کی مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے برادران ہنود کے ساتھ ایک وقت خاص کے لئے علحدہ رہنے کی تعلیم دی تھی اسی طرح اُس نازک وقت کے گزر جانے کے بعد جب برادران ہنود کے ساتھ اتحاد عمل کر کے سیاسی جدوجہد میں شرکت کی ضرورت تھی تو شرکت کی تعلیم دیتا۔ مگر چونکہ بیسویں صدی کے باستثنا و چند تمام رہنما محض سرسید کی کھینچی ہوئی لکیر کو پیٹتے رہے اس لئے مسلمانوں کا کچھ مسلک ہی یہ بن گیا کہ وہ عملی سیاسیات اور ہندوستان کی دوسری قوموں سے علحدہ رہیں اور اصلاً یہی ہندوستان کی دائمی غلامی کی تمہید اور مسلمانوں کی سیاسی خودکشی تھی۔

ہندو مسلم نفاق کی تخم ریزی

سیاسی جدوجہد اور گورنمنٹ سے مطالبۂ حقوق میں مسلمان ہندوؤں سے علٰحدہ ہوگئے۔ نہ صرف علٰحدہ ہوئے بلکہ اُن کی تمامتر کوششیں گورنمنٹ کی والہانہ وفاداری میں صرف ہونے لگیں تو قدرتاً ہندو مسلمانوں کو شاہراہ آزادی میں سنگ راہ سمجھ کر اُن سے نفرت کرنے لگے انگریز مدبرین کے اُس مخصوص طبقہ نے جو غلطی سے حکومت کا استحکام ہندو مسلم نفاق میں متصوّر کرتا ہے جب ہندو مسلمانوں کے ان متضاد رجحانات طبع کو دیکھا تو لارڈ الفنسٹن (گورنر بمبئی ۱۸۵۹ء) کے اس قول کے مطابق کہ "نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا ہونا چاہیئے" (ماخوذ از ان ہیپی انڈیا) موقع کو غنیمت سمجھا اور ہندو مسلم نفاق کی تخم ریزی شروع کردی۔

کروروں روپیہ کی کتابیں چھپیں جن میں مسلمان بادشاہوں کے مظالم کی قطعی غلط اور بے بنیاد داستانیں لکھی گئیں مسلمانوں کے تمدن، معاشرت اور اُن کے اسلاف کے کارناموں کو بُری اور بھیانک شکل میں دکھایا گیا۔ یا مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکانے کے لیے بعض علماء سوء کے ہاتھوں سے اس قسم کی مذہبی کتابیں لکھوائی گئیں جن میں یہ ثابت کیا گیا کہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے

میل کرنا کفر و شرک ہے۔ ہندی اور اُردو کا جھگڑا۔ گائے اور باجہ کا قضیہ یا لارڈ کرزن کی تقسیم بنگال کا قضیہ نا مرضیہ جس سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچتا تھا اور ہندؤں کو نقصان اور جو بعد کو ہندؤں کے موافق طے ہونے سے ہندو مسلمانوں میں خلیج بنگال سے بھی بڑی ایک خلیج مغایرت پیدا ہو گئی۔ غرضکہ اسی قسم کے صدہا اسباب کی بنا ر پر ہندو مسلمانوں میں خوب خوب عداوت اور دشمنی ہو گئی۔ خانہ جنگی کی طرف رجحان ہو گیا اور ایک قوم دوسری قوم کا گلا کاٹنے پر تل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپس کی بے اعتباری اور غلو کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں پڑنے لگا۔

جداگانہ طریقۂ انتخاب کی ابتدا

میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں جب انتخاب کا طریقہ جاری ہوا تو وہ مخلوط انتخاب کا طریقہ تھا اور سالہا سال تک اس طریقہ کے ماتحت ہندو یا مسلمان اپنی اپنی غالب اکثریت کے باوجود ہندو یا مسلمان نمائندہ کو بلا تفریق مذہب و ملت محض قابلیت اور قابلیت کار کے نقطۂ نظر سے منتخب کیا کرتے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جب نہ ہندی اُردو کا جھگڑا تھا نہ گائے کی قربانی سے کوئی کانوں کان خبر ہوتا تھا لیکن جبکہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور لارڈ الفنسٹن جیسے انگریزوں کی کوششیں بار آور ہونے لگیں تو ہندو مسلم اتحاد کی عمارت متزلزل ہونا شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوکل بورڈ وغیرہ کے انتخابات میں

ہندو مسلم رقابت شروع ہوگئی ہندوؤں نے جو اکثریت میں تھے اپنے ہی میں سے انتخاب کرنے کی ٹھان لی ہندوؤں کے اس رویہ سے مسلمانوں کی جو اقلیت میں تھے حق تلفی ہوئی اور ہندوؤں کی طرف سے اُن کے دل و دماغ پر غصہ کی لہر مستولی ہو گئی۔

انگریز مدبرین کا وہ مخصوص طبقہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس زریں موقع کا منتظر ہی تھا اپنی عرصہ دراز کی کوششوں کو بار آور ہوتے دیکھ کر فوراً مسلمانوں کی ہمدردی کے لیے تیار ہو گیا اور ایک طرف ۱۹۰۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے سوراج کا ریزولیوشن پاس کیا تو دوسری طرف ہز ہائینس سر آغا خاں ولایت سے تشریف لاکر ستمبر ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کا ایک وفد شملہ لے گئے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

جہاں اس وفد کو بغایت ہمدردی جداگانہ انتخاب کا تمغہ مرحمت کیا گیا اور سنہ ۱۹۰۹ء کے "ریفارم" میں مسلمانوں کے حق جداگانہ انتخاب کو تسلیم کرکے اُن کے لیے نشستیں مخصوص کر دی گئیں ساتھ ہی منٹو مارلے رپورٹ میں یہ بھی لکھ دیا گیا کہ

"ہم ہر قسم کے جماعتی انتخابات کو حکومت خود اختیاری کی راہ میں سخت رکاوٹ سمجھتے ہیں"

جداگانہ حق انتخاب ملتے ہی مسلمانوں نے اطمینان کی سانس لی اور سکون قلب نصیب ہوتے ہی پنبہ در گوش ہو کر ایسی غفلت کی نیند سوئے کہ دنیا و مافیہا کو بھول گئے جنگ بلقان و طرابلس ہنگامہ مسجد کانپور اور جنگ عظیم۔ ٹرکی کے مرد بیمار کی ہلاکت ترک موالات

فرقہ وارانہ فسادات۔ اور موجودہ تحریک غرض اس قبیل کے سیکڑوں ہی تو خواب ہائے پریشان دیکھے۔ کبھی کبھی چونک بھی پڑے مگر پھر کسی کی سریلی بانسری نے سلا دیا۔

اس دوران میں ہندو قوم برابر میدان عمل میں جم لانی اور تیز گامی دکھاتی رہی یہاں تک کہ انکی لیلائے مقصود قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔

یاران تیز گام نے محمل کو جالیا ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

یہ کوئی راز نہیں کہ ۱۹۰۹ء کی اصلاحات سے ہندو قوم مطمئن نہ ہوئی تھی اس لیئے اس نے جنگ عظیم کے دوران میں ہی گورنمنٹ سے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔ گورنمنٹ بھی وعدہ کرنے پر مجبور ہوئی۔ اب ضرورت ہوئی کہ ہندو مسلمان آپس کے حقوق کی بابت گفتگو کر لیں تاکہ متحدہ آواز بلند کرنے سے گورنمنٹ بھی وعدہ کا ایفا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ مسلمانوں نے کہا کہ بھائی ہمیں پریشان مت کرو ہمارے حقوق کا خود بخود تحفظ ہو جائیگا گورنمنٹ ہماری حفاظت کے لیئے موجود ہے۔ جب زیادہ مجبور کیئے گئے تو جواب دیا کہ جب تک جداگانہ انتخاب کو آئندہ بھی جاری رکھنے کی شرط منظور نہ کی جائے گی ہم کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ چاہے ہندوستان کو سوراج ملے یا نہ ملے۔ ہندوؤں نے طوعاً و کرہاً اس شرط کو منظور کر لیا مگر اس کی قیمت بھی اتنی زیادہ لی کہ مسلمانوں کی سیاسی اہمیت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ یعنی ۱۹۱۶ء کے ہندو مسلم میثاق لکھنؤ کی رو سے جن صوبوں میں

مسلمانوں کی اقلیت تھی ان میں مسلمانوں کو تناسب آبادی کے بہ نسبت چند نشستیں زیادہ دی گئیں جس کا حاصل کچھ نہ ہوا کیونکہ مسلمان بدستور اقلیت میں رہے اور جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ان صوبوں میں مسلمانوں کا حق گھٹا کر وہاں بھی انھیں اقلیت کی حالت میں بدل دیا گیا۔ محض جداگانہ انتخاب کو قایم رکھنے کے لئے ایسی احمقانہ سیاسی معاملت دنیا میں شاید ہی کسی قوم نے کی ہو۔

اس میثاق سے جس قدر مسلمانوں کو نقصان ہوا اُسی قدر حکومت کو فائدہ پہونچا۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ جداگانہ انتخاب جو ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں سے ایک کو ہمیشہ ہمارے ساتھ رکھنے کے لئے موجود ہی تو ابھی ضرورت نہیں ہی کہ ہندوستان کو کامل حکومت خود اختیاری دی جائے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کی اصلاحات جو ہندوستان کو دی گئیں وہ انتہائی مایوس کن ثابت ہوئیں اور ہندوستان منزل آزادی میں قریب قریب جہاں تھا وہیں کا وہیں رہا۔

جُداگانہ انتخاب کی خرابیاں اور مخلوط انتخاب کا دوبارہ خیال

ایک تو جداگانہ انتخاب سے مسلمانوں میں جمود و سکون بڑھ گیا۔ دوسرے ۱۹۱۶ء میں انھیں اُس کی قیمت بہت دینا پڑی جس سے اُن کی سیاسی اہمیت ختم ہوئی اور تیسرے ۱۹۱۹ء میں یہ کامل حکومت خود اختیاری ملنے میں سدّراہ بن گیا

اس لیئے خود مسلمانوں کے ایک درد مند قوم پسند طبقہ کو اس امر کا احساس ہوا کہ جداگانہ انتخاب ملک و ملت کے لیئے ایک لعنت ہی اور اگر ملک کو آزادی اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور خود اعتمادی پیدا کرنا ہی تو اس لعنت کا ضرور خاتمہ کر دینا چاہیئے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں جب لکھنؤ میں خلافت کانفرنس کا انعقاد ہوا تو کانفرنس نے ایک سب کمیٹی کا تقرر کیا جس کے مندرجۂ ذیل حضرات ممبر تھے۔

مولانا محمد علی صاحب مرحوم حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر انصاری صاحب۔ مولانا ابوالکلام صاحب اور مولوی شفیع داؤدی صاحب اس سب کمیٹی کا کام یہ تھا کہ مسلم لیگ اور دوسری مسلم سیاسی جماعتوں کو مخلوط انتخاب کا حامی بنانے کے لیئے گفت و شنید کرے۔ اس کمیٹی کی کوشش سے ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو تمام ملک کی قریب قریب تمام سیاسی جماعتوں کا ایک متفقہ جلسہ دہلی میں منعقد ہوا جس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ مسلمان مرکزی اور صوبہ کی مجالس قانون ساز میں مخلوط انتخاب کو منظور کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ

(۱) سندھ علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے (۲) صوبہ سرحد کو اصلاحات دی جائیں۔

(۳) پنجاب اور بنگال میں آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کی نمائندگی ہو (۴) مرکزی مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی (⅓) سے کم نہ ہو۔

۱۹۲۶ء سے تا ایندم ملک میں جو سیاسی انقلابات رونما ہوئے اور ہندو مسلم سمجھوتے کے لیئے جس قدر کانفرنسیں ہوئیں اُن کی روئدادیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہر ایک انصاف پسند شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ مسلمانوں کی ان شرائط کو ہندوؤں کی غالب اکثریت نے تھوڑی بہت ردوقدح کے بعد منظور کر لیا ہے بلکہ مہاتما گاندھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کے موجودہ صدر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے تو یہاں تک کہدیا کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو قلم اور سادہ کاغذ دینا چاہتے ہیں جس پر وہ جس قدر چاہیں مطالبات لکھدیں ہم اُن کو منظور کر لیں گے۔

یہ خصوصیت کچھ ان ہی بزرگوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر ایک ملک کے سچے علم برداران آزادی اسی طرح اقلیتوں کو راضی کرنے کے لیئے ذاتی قربانی کیا کرتے ہیں مصر کے قائد سعد زغلول پاشا کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ اُنھوں نے ایک روز عیسائیوں اور یہودیوں کے تمام مقتدر رہنماؤں کو جمع کرکے ایک کمرہ میں بند کر دیا اور کہا کہ اپنی اپنی قوم کے تمام مطالبات میرے سامنے لکھ کر لاؤ میں انھیں منظور کر لوں گا۔ ہر دو جماعتوں کے رہنماؤں نے زغلول پاشا کے اس عجیب و غریب طرز عمل سے متاثر ہو کر اپنی اپنی قوم کے کم سے کم مطالبات لکھے اور پیش کیئے اس پر زغلول پاشا بہت ناراض ہوئے اور اپنے قلم سے اُن مطالبات کا اور اضافہ کر دیا جو عیسائیوں اور یہودیوں

کے مفاد کے لئے ضروری تھے۔

افسوس جبکہ ملک کی زبردست قربانیوں کے بعد دوسری راونڈ ٹیبل کانفرنس ہونے والی ہے اور ہندو مسلمانوں کو اُس میں متحد العمل اور متفق الخیال ہو کر شرکت کی ضرورت ہے ہمارے خود پسند رہنما اپنے وعدوں سے پھرے جاتے ہیں اور ملکی اور ملّی مفاد کو اپنی خود غرضیوں کی بھینٹ چڑھا کر مسلمانوں کو دُنیا کے سامنے ذلیل و رُسوا کر رہے ہیں۔ حکیم اجمل خاں صاحب اور مولانا محمد علی صاحب کا انتقال ہو گیا آج وہ اس ملک و ملت فروشی پر اپنی اپنی قبروں میں بے چین ہوں گے اور اُن کی روحیں لرزتی ہونگی۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے سچے بہی خواہان اسلام کو اس جرم میں کہ وہ خوددار اور وضعدار ہیں طرح طرح سے بدنام کیا جا رہا ہے اور چونکہ وہ باعزت لوگوں کی طرح اپنے وعدہ پر قایم ہیں اس لیئے اُن کی نسبت یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اُن کو ہندوؤں نے مول لے لیا ہے درآں حالیکہ یہ بدنام کرنے والے خود عرصہ ہوا اپنی اپنی قیمت وصول کر چکے ہیں۔

اس شر القرون میں اعلاء کلمتہ الحق اتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ فرہاد کے لیئے جوئے شیر لانا۔ جوں ہی کسی شخص نے کوئی سچی بات منھ سے نکالی ہر چہار جانب سے خود غرض اور ذاتی مفاد پر ملک و ملّت کو قربان کر دینے والے لوگ اس پر

جھپٹ پڑتے ہیں۔ بھولے بھالے مسلمان بھی ان طرۂ کلغی والی عظیم الشان ہستیوں سے مرعوب ہو کر بلا سوچے سمجھے اُن کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ یہ صورت حال جس درجہ تکلیف اور جاں گداز ہے محتاج بیان نہیں لیکن وہ لوگ جو محض اپنے معبود کو خوش کرنے کے لیئے اسلامی اور ملکی خدمت اپنا فرض سمجھ کر انجام دیتے ہیں وہ بندوں کی بیجا وقتی ناراضی سے بددل نہیں ہوتے۔

جداگانہ طریقۂ انتخاب اور ایک ایماندار انگریز کی رائے

مسٹر کرٹس ایک مشہور ماہر سیاست ہیں آپ اپنے خطوط بنام باشندگان ہند میں لکھتے ہیں کہ :-

"جداگانہ نیابت کا دیا جانا انگریزی گورنمنٹ کی سب سے بڑی غلطی تھی جو اُس سے ہندوستان میں سرزد ہوئی میں یقین کرتا ہوں کہ اگر یہ اصول انتخاب جداگانہ مستقل طور پر قایم ہو گیا تو ہم ہندوستان میں ذات پات کا ایک نیا طریقہ جاری کرنے کے باعث ہوں گے اور یہ وہ طریقہ ہوگا جو ہندوستان کی زندگی کو سال سال گھن کی طرح کھاتا رہے گا۔ جب تک یہ طریقہ جاری رہے گا ہندوستان کبھی قومیت کے لحاظ سے متحد نہ ہو سکے گا اور جتنے عرصہ تک وہ قایم رہے گا اتنی ہی مشکل اُس کے استیصال میں پیش آئے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر کار اندرونی خانہ جنگی اُس کا

خاتمہ کرے گی۔ ہم اس بات کے امین ہیں کہ ہندوستان کو اس قابل بنائیں کہ متحدہ قومیت کا درجہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائے مگر فرقہ وارانہ نمائندگی کا طریقہ جاری کرنے سے میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اس امانت میں خیانت کی ہے یہاں کے لوگوں میں اس طریقہ انتخاب نے اس قدر خراب اثر پیدا کر دیا ہے کہ فی الحال یکبارگی اس رعایت کا منسوخ کرنا ممکن نہیں معلوم ہوتا در انحالیکہ آج سے چند سال پہلے اس کو نامنظور کر دینا آسان تھا لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم ایسے قواعد بنانے میں جن سے وہ زنجیریں جن میں ہندوستان جکڑا ہوا ہے ڈھیلی ہوتی ہوں ناکامیاب رہیں تو ہندوستان کے خلاف ہم ایک ناقابل معافی جرم کے مرتکب ہوں گے۔" (ماخوذ از حکومت خود اختیاری)

مسٹر گرٹس کی یہ پیشین گوئی کہ جداگانہ نیابت کا انجام اندرونی خانہ جنگی ہوتا ہے، گزشتہ بیس سال کی ہندوستان کی تاریخ شاہد ہے کانپور کا خونی ہنگامہ تو کل کی بات ہے ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک صرف یو۔پی میں نوے بلوے ہوئے۔ ان بلووں میں ہر دو قوموں کے جوان العمر اشخاص اگر میدانوں میں نکل کر مردانہ وار لڑائیاں لڑتے اور خوب مرتے اور زخمی ہوتے تو کوئی مضائقہ کی بات نہ تھی کیونکہ اس سے فریقین میں بہادرانہ جنگ کی قابلیت پیدا ہوتی جو ملکی حفاظت کے وقت دونوں فرقوں کے لیے

کارآمد ثابت ہوتی مگر موجودہ جنگ ظالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی بزدلانہ
ہی جس میں پرامن زندگی بسر کرنے والے بوڑھے مرد۔ عورتیں۔ اور کمزور معصوم
بچے اپنی گلیوں اور گھروں میں ذبح کیئے جاتے ہیں اور جس سے تمام ملک
بجائے بہادری کے بزدلی کی طرف قدم بڑھا رہا ہی، اس امر سے ہمیں انکار نہیں
ہوسکتا کہ جن ممالک میں مخلوط انتخاب کے ساتھ حکومت خود اختیاری ملی ہی وہ بھی
باہمی اختلافات اور جنگ و جدل سے کلیتاً پاک نہیں ہیں۔ صرف فرق یہ ہی کہ
وہاں مختلف پارٹیاں جو آپس میں لڑتی ہیں وہ سیاسی جماعتیں ہیں جن کے لڑنے
میں بھی ملک سیاسی۔ اقتصادی اور مادّی اعتبار سے ترقی کرتا جاتا ہی،

ہمارے ملک کی ملی اور مذہبی پارٹیاں لغو اور لایعنی۔ غیر مفید بلکہ مضر امور
پر لڑلڑ کر اپنی قوت ضایع اور زائل کرتی رہتی ہیں اور تمدّن و معاشرت کے
اعتبار سے روز بروز گرتی چلی جاتی ہیں اور حقیقی اور اصلی مقصد ترقی سے دور
ہوتی جاتی ہیں،

اس دردانگیز صورت حال کو دور کرنے کی مختلف تدابیر عمل میں
لائی جاچکی ہیں مگر سب بے سود۔ جب تک مرض کا صحیح علاج نہ کیا جائے گا
حالت روز بروز بد سے بدتر ہی ہوتی رہے گی۔ فرقہ وارانہ انتخاب منبع ہیں

ہر قسم کی فرقہ وارانہ کشمکش کا ان کے ذریعہ ہندو مسلمانوں کو آپس میں لڑانے والی جماعت کی مستقل پیداوار ہو رہی ہے۔ اور جس کے سامنے اُن لوگوں کی کمزور آواز جو ہر دو فرقوں میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں

نقارخانہ میں طوطی کی آواز

سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کے مشورہ کے مطابق اگر دس سال تک بھی جداگانہ طریقہ انتخاب کو اور جاری رکھا گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آج جو ہر شہر میں عیدین اور محرم وغیرہ کے مواقع پر دس بیس ہندو مسلمانوں میں اتحاد کرانے والے لوگ مل جاتے ہیں اُن کا وجود بھی مفقود ہو جائیگا اور ملک کے طول و عرض میں ایسے افراد ڈھونڈے سے نہیں ملیں گے جو لڑتے ہوئے ہندو مسلمان بھائیوں کو گلے ملوا دیں۔

گزشتہ بیس سال کی دردانگیز قومی تباہیوں سے سبق لینا چاہیئے اور آئندہ پیش آنے والے حالات کا چشم بصیرت سے اندازہ کرنا چاہیئے۔ جداگانہ انتخاب کی لعنت کو ملک سے دور کرنا کوئی آسان کام بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر دو قوموں کے آئے دن کے متعصبانہ طرز عمل سے ایک مسلمان یہ سمجھنے لگا ہے کہ ہندو کبھی اُس کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ایک ہندو مسلمان کو

اپنا ازلی دشمن تصور کرتا ہی اور ایک دوسرے کی ذہنیت کو قطعی لاعلاج تصور کرتا ہی۔ حالانکہ اسی ہندوستان میں ہر دو قوموں کے تعلقات کی تاریخ کا کوئی بغور مطالعہ کرے تو اُس کو معلوم ہوجائے گا کہ جو کیفیت آج ہی وہ کل نہ تھی اور مرض کا صحیح علاج کرلیا جائے تو وہ آئندہ ہرگز باقی نہ رہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

قدیم ہندوستان کی بے تعصبی

جب احمد شاہ ابدالی سے مرہٹوں کی لڑائی ہوئی تو مرہٹوں کا توپخانہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔ توپخانہ ایسی اہم چیز ہی کہ اُس پر لڑائی کا تمامتر دارومدار ہوتا ہی چنانچہ آجتک انگریزوں نے اپنے توپخانہ کو ہندوستانیوں کو ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ بہرحال اُس لڑائی میں احمد شاہ ابدالی کے مقابلہ میں مرہٹے ہار گئے۔ اس وقت احمد شاہ ابدالی نے مسلمان توپچیوں کو ان کی مردانگی اور نمک حلالی پر بڑی داد دی اور اُن سے خواہش کی کہ وہ احمد شاہ کی فوج میں آجائیں اس پر مسلمانوں نے جواب دیا کہ ان کے آقا ہاریں یا جیتیں وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر دوسری جگہ نہیں جاسکتے۔

ایک دوسرا واقعہ:-

۱۸۵۷ء میں جب فوجوں میں بغاوت شروع ہوئی تو ہر مقام کے سپاہی اپنی چھاؤنی میں آگ لگا کر اور برباد کرکے دہلی کے معزول اور معطل بادشاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ سپاہی بہار تک سے آئے تھے ان میں ہر مذہب و ملت کے ہندوستانی تھے۔ ہندو سپاہی بہادر شاہ کی جے پکارتے تھے۔ اگر موجودہ زمانہ کے سے تعصبات اُس وقت ہوتے تو مسلمان سپاہی مسلمان بادشاہ یا نواب کے پاس جاتے اور ہندو سپاہی کسی راجہ کے پاس جاتے۔ مگر سب کے سب بلا تفریق مذہب و ملت معزول اور بے جان مسلمان بادشاہ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو ظلم و ستم اور جبر و تعدی پچھلی سلطنتوں سے منسوب کی جاتی ہیں وہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ حالت اس کے برعکس تھی،

اسی قسم کے تاریخی واقعات کی تائید میں سر جان مینارڈ جو کبھی پنجاب ایگزیکیٹو کونسل کے سینیئر ممبر تھے لکھتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان موجود ہے جس کا ایک نمونہ ہندو مسلم عناد ہے اور یہ واقعہ ہے کہ یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت نہ قائم ہو سکتی نہ برقرار رہ سکتی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت

برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ برطانیہ سے پہلے بھی ظالم سلاطین گزر چکے ہیں جنھوں نے کبھی غیر مسلمین پر جزیہ لگایا اور کبھی گائے ذبح کرنے پر مجنونانہ سزائیں دیں لیکن یہ واقعات گاہے ماہے پیش آتے تھے۔ تجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا اور خواہ ہندو ہوں یا مسلمان دونوں ایک ہی معبد میں مصروف پرستش تھے۔ (ماخوذ از حکومت خود اختیاری)

جداگانہ انتخاب

فرقہ پرست مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے

ہندو مسلم اتحاد کی داستانیں کوئی لاکھ موثر سے موثر طریقہ سے بیان کرے۔ مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا حافظہ بہت خراب ہے۔ ہم بہت جلد چشم دید واقعات تک کو بھول جاتے ہیں اور جوں ہی کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا ہے ہماری معلومات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر ہم ہر چیز کا فیصلہ فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے کرنے لگتے ہیں۔ یہی صورت اس وقت مسئلہ انتخاب کے بارے میں ہے۔ اور ہر ایک مسلمان کا یہ مطالبہ ہے کہ اس مسئلہ کو صرف اسلامی مفاد کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ قوم پسند مسلمان عام طور پر ایسا

کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اس سے برادران ہنود کے ایک خاص طبقہ کی نظر میں اُن کی قوم پسندی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف چونکہ نیشنلسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی ہے اور اس کی مسلمانی نیشنلسٹ بننے میں حایل نہیں ہے اس لئے کم از کم اُسے صرف اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ پر بحث کرنے میں کوئی خوف اور تامل نہیں ہے۔ لہذا عرض ہے کہ ملک میں جداگانہ طریقۂ انتخاب جاری ہونے سے مسلمانوں کو تین قسم کے نقصان پہونچے۔

پہلا نقصان یہ پہونچا کہ مخلوط انتخاب کی عدم موجودگی میں مسلمانوں میں حکومت خود اختیاری کی اہلیت نہ رہی اور وہ میدان ترقی میں ہنوز کے لئے پیچھے ہٹ گئے۔

دوسرا نقصان مسلمانوں کو یہ پہونچا کہ اُن کا اثر ہندوؤں پر سے بالکل اُٹھ گیا اور ہندوؤں کی کثیر جماعت جو تعداد۔ دولت اور علم کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے مسلمانوں سے مستغنی ہو گئی اور انھیں ہر طرح دبانے پر تل گئی۔

تیسرا نقصان یہ ہوا کہ دونوں قوموں میں مستقل عداوت قایم ہو گئی۔ جس کا انجام باہمی کشت و خون کے علاوہ ایک یہ بھی ہوا کہ مسلمان تعلیم گاہوں تجارت کی منڈیوں صنعت گاہوں اور ملازمتوں سے نکالے جانے لگے۔

مسلمان ان سب باتوں کا مقابلہ کر لیتے بشرطیکہ ان میں انتشار واقع نہ ہوتا۔ لیکن جُداگانہ انتخاب کی بدولت خود مسلمانوں میں جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔ اور الیکشن کی وبا نے مسلمانوں کے محلہ محلہ اور گھر گھر میں وہ عداوت اور پھوٹ ڈالی کہ الامان والحفیظ۔ باپ ایک اُمیدوار کی طرف ہے تو بیٹا دوسرے کی طرف۔ بھائی ایک جانب ہے تو بھتیجا دوسری جانب۔ شادی بیاہ چھوٹنے لگے۔ لین دین۔ ملنا جُلنا۔ موت زیست میں شرکت ترک ہوگئی اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی سے ایسی ہی دشمنی ہوگئی جیسی کہ شاید ہی کسی مسلمان کو ہندو سے یا ہندو کو مسلمان سے ہو۔

جب مسلمانوں میں آپس میں اتحاد و اتفاق اور ایک دوسرے سے ہمدردی ہی نہ رہی تو مسلمان ہندوستان میں آٹھ کروڑ نہیں ۸۰ کروڑ ہو جائیں مگر وہ اپنے مذہب اور اپنے تمدن کی حفاظت نہیں کرسکتے۔ ان کے قومی وجود کی سلامتی خطرہ میں رہے گی اور انجام کار اُن کا وہ حشر ہوگا جو اسپین کے مسلمانوں کا ہوا۔ اللہ اللہ ایک وہ وقت تھا کہ ۱۲ ہزار مسلمان ہندوستان میں آتے ہیں اور اس ملک میں ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھ دیتے ہیں جو چھ سو سال تک قائم رہتی ہے کیا اُس وقت کے مسلمانوں کو بھی اپنے حقوق

نوٹ: صفحہ ۳۰ پر پارسیوں کی تعداد ایک لاکھ پڑھیے۔

کے تحفظ یا نشستوں کی تخصیص کی ضرورت تھی؟
برعکس اس کے آج یہ حال ہے کہ وہ نہ صرف ہندوؤں کی اکثریت سے خوف زدہ ہیں بلکہ سکھوں کی قلیت بھی اُنھیں لرزہ براندام کیے ہوئے ہے۔

اسی ہندوستان میں ایک قوم پارسیوں کی بھی ہے جو تعداد میں صرف بارہ لاکھ ہے لیکن آپس میں اتحاد و اتفاق کی بدولت علم و دولت میں تمام دوسری قوموں سے فوقیت لے گئی ہے اور وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اس کا کوئی نمائندہ کونسلوں میں منتخب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ مگر نہیں اس بے نیازی کے باوجود اس قوم کے افراد پارلیمنٹ کے ممبر، کانگریس کے صدر اور بمبئی کارپوریشن کے صدر رہ ہوتے ہیں۔

مسلمان بھی اگر تحفظات کی بیڑیاں اُتار ڈالیں جو انھیں بزدل بنائے ہوئے ہیں اور اپنے خدا اور اپنی ذات پر اعتماد کر کے آپس میں متحد و متفق ہو جائیں تو دُنیا کی کوئی طاقت انھیں فنا نہیں کر سکتی اور ان کے جائز حقوق کی پامالی تو ایسی ناممکن بات ہے کہ جیسا آفتاب کا بجائے مغرب کے مشرق میں غروب ہونا۔

مسلمانو! تمھاری تاریخ دُنیا کو تہذیب و تمدّن اور علوم کی روشنی سے منوّر کرنے

کی تاریخ ہے۔ ۱۸۵۷ء میں تم زخمی ہوگئے تھے اب زخموں کا اندمال ہوچکا۔ اس لیے مرہم پٹیوں کو اپنے اپنے جسموں سے نوچ کر پھینک دو۔ اور مردانہ وار اللہ کی اس سرسبز و شاداب سرزمین پر خدا کا نام لیکر اپنے اپنے گوشہ ہائے عافیت سے نکل آؤ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ خوش حالی۔ فارغ البالی۔ اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور ہر وہ چیز جس کی تمہارے دل میں طلبِ صادق ہوگی تمھارے پاس خود بخود آجائے گی۔

مخلوط انتخاب نشستوں کی تخصیص کے ساتھ

جذبات اور واقعات دو علٰحدہ چیزیں ہیں۔ مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر یہ اسلامی جذبہ کا تو یہ تقاضا ہے کہ قوم کی خدمت میں یہ عاجزانہ التجا کی جائے کہ وہ مسئلہ انتخاب میں ہر قسم کی نشستوں کی تخصیص سے بالاتر ہوجائے لیکن گرد و پیش کے ناموافق حالات اور گروہ مخالفین کی زبردست ریشہ دوانیاں اس امر پر مجبور کر رہی ہیں کہ آل انڈیا نیشنلسٹ مسلم کانفرنس منعقدہ لکھنؤ ۱۹و ۲۰ر اپریل ۱۹۳۱ء کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ وہ فیصلہ یہ ہے:-

(۱) تمام بالغوں کو حق رائے دہی حاصل ہو۔

(۲) مخلوط نیابت کے اصول کے ماتحت انتخابات ہوں۔

(۳) ان اقلیتوں کے لیئے جن کی تعداد تیس فیصدی سے کم ہی نشستیں مخصوص کر دی جائیں اور دیگر نشستوں کے لیئے اُن کو مقابلہ کرنے کا حق حاصل ہو۔

اگر مسلمانوں نے اس فیصلہ کو ہی مان لیا تو ہندو مسلمانوں میں سمجھوتہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کو آئندہ دستور حکومت میں مندرجہ ذیل فوائد کا حاصل ہونا ایک لازمی نتیجہ ہو گا

(۱) نئے آئین میں بنیادی حقوق کے متعلق ایک دفعہ ہو گی جس میں اُن کے تمدن۔ زبان۔ کتب۔ تعلیم۔ پیشہ اور مذہبی اصولوں کی پابندی۔ مذہبی اوقات اور اقتصادی مفاد کے تحفظ کی ضمانت کی جائے گی۔

(۲) بنیادی حقوق اور ایسے قوانین کے تحفظ کے لیئے جو کسی فرد کی ذات پر اثر انداز ہوتے ہوں نئے آئین میں ایک دفعہ رکھی جائے گی۔

(۳) ملک کا آئندہ آئین فیڈرل ہو گا اور ریزیڈوری وہ اختیارات جو کہ فیڈرل مرکزی حکومت کے اختیارات کے بعد باقی بچ رہیں گے ان صوبجات اور ریاستوں کو حاصل ہوں گے جو کہ فیڈریشن میں شامل ہونگی۔

(۴) ملازمتوں کے لیئے جملہ تقرر پبلک سروس کمیشن کیا کرے گا اور یہ تقرر ضروری قابلیت کے کم سے کم معیار کے مطابق کیا جائے گا مسلمانوں کو اُن کے واجبی حصّہ سے محروم نہ کیا جائے گا اور ادنیٰ ملازمتوں پر کسی قسم کے اجارہ کی اجازت نہ ہوگی۔

(۵) سندھ جہاں مسلمانوں کی زبردست اکثریت ہے علحدہ صوبہ بنا دیا جائیگا

(۶) صوبہ سرحدی کو بھی اسی قسم کا نظم و نسق و طرز حکومت حاصل ہوگا جیسا کہ برطانوی ہند کے دیگر صوبجات کو حاصل ہوگا۔

(۷) پنجاب اور بنگال میں آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کی اکثریت تسلیم کی جائے گی۔

عام مسلمانانِ ہند کو ٹھنڈے دل سے اب یہ غور و فکر کرنا ہے کہ نشستوں کی تخصیص کے ساتھ مخلوط انتخاب منظور کرکے وہ مذکورہ بالا فوائد حاصل کرنا ضروری خیال فرماتے ہیں یا جداگانہ انتخاب جیسے مفروضہ حق کو قایم رکھ کر اس کو خیر باد کہنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کا وہ طبقہ جس میں احساس ہے بیداری ہے دردِ دلی ہے اور جو ہر قسم کی خودغرضی سے بالاتر ہو کو سیاسیات حاضرہ کا بغور مطالعہ

کر رہا ہے اس نے نشستوں کی تخصیص کے ساتھ مخلوط انتخاب کی حمایت شروع کر دی ہے تاکہ ہندو مسلمانوں میں سمجھوتہ ہو جائے۔ ملک کو حکومت خود اختیاری مل جائے اور ملک نے حصول آزادی کے لئے جو زبردست قربانیاں کی ہیں وہ بارآور ہو جائیں۔

ہندو روپیہ ہندو ووٹ

مسلمانوں میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو نشستوں کی تخصیص کے ساتھ مخلوط انتخاب کو پسند کرتے ہیں لیکن اپنے دلوں میں کچھ شبہات بھی رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں نشستوں کی تخصیص کے بعد اُن کی تعداد پر تو ضرور کوئی اثر نہ پڑے گا مگر ہندو اپنی پسند کے آدمی کو ہندو ووٹوں سے منتخب کر لیا کریں گے اور مسلمانوں کی پسند کا آدمی ناکام رہا کرے گا اس کے دو جواب ہیں۔

(۱) جن صوبوں میں مسلمان قلیت میں ہوں گے وہاں ہندو اکثریت میں ہوں گے لہذا کونسلوں وغیرہ میں اپنے نمائندوں کی غالب اکثریت کے ہوتے ہوئے انھیں کیا ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی پسند پر بھی ٹکر ڈالیں اور اُن کو ناراض کریں۔

(۲) جس طرح مسلمانوں میں ایک نشست کے لیئے کئی کئی اُمیدوار ہوں گے
اسی طرح ہندوؤں میں بھی ایک نشست کے لیئے کئی کئی اُمیدوار ہوں گے
اور ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش
کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر ہندو مسلمانوں کے انتخاب پر اثر اندازی
کریں گے تو مسلمان بھی پورے پورے طور پر ہندوؤں کے انتخاب پر اثر
اندازی کر سکیں گے۔ الیکشن کے موقع پر جس وقت کانٹے کا مقابلہ ہوتا ہے
تو اقلیت کے ووٹوں کی خواہ وہ تعداد میں کتنے ہی کم ہوں بڑی قیمت
ہوتی ہے اور اس سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جنھیں الیکشن لڑانے کا
تجربہ ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ مسلمان غریب ہیں۔ ہندو اپنے روپیہ سے
اُن کے ووٹ خرید لیں گے۔ یہ شبہ دل میں لاتے وقت اس حقیقت کو
فراموش کر دیا جاتا ہے کہ آئندہ نظام حکومت کی ہر اُس اسکیم کو قوم پسند مسلمان
نامنظور کر دیں گے جس میں بالغوں کو حق دہی حاصل نہ ہو اور جب ہر بالغ
کو حق رائے دہی مل گیا تو ووٹروں کی تعداد موجودہ تعداد سے انیس گنا زیادہ
ہو جائے گی کہ کوئی بڑے سے بڑا مالدار اُمیدوار اتنے ووٹروں کو روپیہ

نہیں دے سکتا اگر صرف شربت ہی پلائے تو سیکڑوں روپیہ خرچ ہو جائیگا نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر ہندو مالدار ہیں تو جنرس بھی ہیں اور وہ زیادہ روپیہ خرچ کرنے سے الیکشن ہار جانا پسند کرتے ہیں۔

یہ شبہات اسی وقت تک رہیں گے جب تک کہ جُداگانہ طریقۂ انتخاب کی وجہ سے ملک کی فضا مسموم ہی اور ہندو مسلمانوں کی ایک دوسرے سے جُدائی ہی۔ جس وقت مخلوط انتخاب ہو گیا تو ہر دو قوموں کی ایک دوسرے سے اغراض وابستہ ہو جائینگی۔ ہندوؤں کی مستقل کوشش مسلمانوں پر احسانات کرنے اور خوش کرنے میں صرف ہو گی اور مسلمان ہندوؤں سے برادرانہ تعلقات قایم کرنے اور اُن کو خوش کرنے کے لیئے جدوجہد کرینگے

ووٹ کی غرض

فی زمانہ ووٹ کی غرض سب سے بڑی غرض سمجھی جاتی ہی اس کی خاطر لوگ سب کچھ کرتے ہیں۔ اس حقیقت واقعی کی ایک عمدہ دلیل یہ ہی کہ ہندو مسلمانوں میں ۹۹ فیصدی وہ لوگ جو مخلوط انتخاب کی شدید مخالفت کر رہے ہیں دل سے مخلوط انتخاب ہی کو ملک و ملت کے مفاد کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں مگر اپنے پچھلے سیاہ کارناموں کی وجہ سے خود کو اس قابل

ہیں سمجھتے کہ مخلوط انتخاب میں منتخب ہوسکیں اس لیئے اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف
جداگانہ انتخاب کی حمایت کر کے قوم کو تباہی کی طرف ڈھکیل رہے ہیں ووٹ
کی خاطر ایمان اور ضمیر کو پامال کیا جا سکتا ہے تو مخلوط انتخاب کی صورت میں
بھی ووٹ کی خاطر ہندو اور مسلمان یگانگت کے تعلقات برقرار رکھنے کے
لیئے کیا کچھ کوشش نہ کریں گے جس سے ضمیر بھی مطمئن رہے اور ووٹ
کے ووٹ مل جائیں۔

تا تریاق

ہماری یہ توقعات حقایق پر مبنی ہیں لیکن پھر بھی ممکن ہے بعض حضرات
ان کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور جداگانہ انتخاب کو اس وقت تک جاری
رکھنے کے لیئے اصرار ہی کرتے رہیں جب تک کہ پہلے ہندوؤں کی ذہنیت
نہ بدل جائے۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں جانتے کہ ہندو ذہنیت کے
بیجا خوف کی بدولت

"جو منٹ گزر رہا ہے اس میں مختلف صورتوں میں ہندوستان
سے انگلستان کو کثیر مقدار میں روپیہ کھنچا چلا جا رہا ہے۔
مسٹر ولسن کے حساب سے ۱۴½ لاکھ روپیہ روزانہ اس غریب

ملک سے باہر باضابطہ جاتا ہے اور دوسرے طریقوں سے جو جاتا ہے اُس کی
تو شمار ہی نہیں ہو سکتی اور یہ اُس وقت تک جاتا رہے گا جب تک کہ ہندو
اور مسلمان ملکر حکومت خود اختیاری حاصل نہ کر لیں۔ اگر کچھ صاحب اتنی سمجھتے ہوں
کہ اس قدر روپیہ باہر جانے سے اُن کا کوئی نقصان نہیں تو شوق سے
وہ مخلوط انتخاب اور حکومت خود اختیاری کی مخالفت کریں البتہ اگر وہ یہ بھی
سمجھتے ہوں کہ حکومت خود اختیاری سے ہندو مسلمانوں میں کشت و خون
ہوگا تو اول تو اس کا امکان نہیں اور اگر کشت و خون ہوگا تو ہم ادب سے
عرض کریں گے کہ کشت و خون تو اب بھی ہوتے ہیں صرف فرق اس قدر ہے
کہ آج کل کی لڑائیاں بھوکے پیٹ لڑی جاتی ہیں اور اپنی حکومت قائم
ہو جانے پر پیٹ بھروں کی لڑائیاں ہوا کریں گی۔ ان میں سے جو صورت
پسند ہو اختیار کرنی چاہیئے۔"

حاصل کلام

اس مختصر کتاب کے اوراق پریشان کے ملاحظہ کے بعد یہ امر اچھی طرح
واضح ہو گیا ہوگا کہ مخلوط انتخاب ہندو مسلم مسئلہ کا حل اور ملک کو آزادی دلانے
کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے قایم ہوتے ہی ایک طرف تو مسلمانوں کے تمام

ں امراض کا علاج ہو جائے گا اور دوسری طرف ملک جو غلامی کی بدولت
بر روز قعر مذلت میں گر رہا ہے. سرعت کے ساتھ سیاسی۔ اقتصادی۔ معاشرتی
نی اور اخلاقی اعتبار سے ترقی کرنے لگے گا.

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ملک و ملت کی خاطر اپنے دماغ سے ہندو
ہنیت کا خوف اور اپنی کمزوری کا خیال نکال دیں اور برادران وطن کے
اتھ حکومت خود اختیاری حاصل کرنے میں شریک ہو جائیں جس کے حاصل ہوتے
ں سب سے پہلے تو اُن کی مالی مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ ملک کا
ر یہ ملک میں رہنے سے معاش کی تمام وہ راہیں جواب بند ہیں کھل جائینگی
وسرے اُن کے مذہب۔ تمدن اور معاشرت وغیرہ کے تحفظ کے ساتھ ساتھ
یاسی حقوق کی بھی پوری پوری حفاظت ہو جائے گی. صوبہ سرحد۔ سندھ۔ پنجاب
ور بنگال میں اُن کی اکثریت تسلیم کیے جانے اور اقلیت کے صوبوں میں نشستوں
ں تخصیص ہو جانے سے ہندوستان میں اُن کی کھوئی ہوئی عظمت اور سیاسی
ہمیت دوبارہ قایم ہو جائے گی.

برادران اسلام سے آخر میں التجا ہے کہ مدینہ۔ تیج۔ ملت۔ ذوالقرنین حقیقت
سرفراز ہندوستان ٹائمس اور بمبئی کرانیکل وغیرہ جیسے ایماندارانہ پالیسی والے

اخبارات اور تاریخ و سیاست پر مستند کتابیں پڑھنے کا اپنے آپ کو عادی بنائیں
بطور خود غور و خوض کر کے ہر ایک مسئلہ پر اپنی رائے قایم کریں۔ اور رجعت پسند
خود غرض اور مزاحمت پیدا کرنے والے اخبارات اور لیڈروں کی والہانہ تقلید
کر کے سیاسیات ملت کے اس نازک دور میں کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جس کی
آئندہ تلافی نہ ہو سکے۔ ہر ایک مسلم فرد میں بڑے سے بڑے کام کرنے کی صلاحیت
موجود ہے۔ بشرطیکہ اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کا جائز طور پر براہ حق اور فلاح قوم
میں استعمال کیا جائے۔ فقط والسلام

مراد ما نصیحت بود و گر دیم
حوالت با خدا کر دیم و رفتیم

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں
(۱۹۳۱ء)
(حمید الدین پرنٹر)

سید الطاف علی پبلشر

حکومت خود اختیاری

اور

ہندو مسلم مسئلہ کا حل

مصنفہ مولانا سید طفیل احمد صاحب کتاب میں تمام ان سیاسی مسائل سے بحث کی گئی ہی جن کا تعلق مسلمانوں کی موجودہ سیاسی حالت اور آئندہ ترقی سے ہی یہ بھی بتایا ہی کہ ہندوستان کو گذشتہ ۲۰۰ دو سو سال میں کس قدر نقصان پہونچا ہی اور یہاں کی کتنی کثیر دولت ممالک غیر کو گئی اور جا رہی ہی۔ یہ کتاب انگریزی۔ اُردو دونوں زبانوں میں ملتی ہے سائز ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۳۲ صفحات

قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو۔پی

کتاب مندرجہ ذیل پتوں پر مل سکتی ہے

دفتر

انجمن نوجوانان اسلام

نینی تال روڈ بریلی

(یا)

مینیجر صاحب نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو۔پی

نوٹ :۔ ایک کتاب کا وی۔پی روانہ نہیں کیا جائے گا
۵ کے ٹکٹ آنے پر کتاب بذریعہ پیکیٹ روانہ
ہوگی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

(...الدین پرنٹر)

بار اول

قیمت ۳ر